ہیں وہ مبصرات کو نہیں جان سکتے، جیسے اندھے۔ جب تک ان کو کوئی دوسرا نہ بتلائے کیونکہ ان کے پاس نورِ بصر نہیں۔ اس نورِ بصر کے علاوہ مبصرات کی دریافت کے لئے ایک اور نور کی بھی ضرورت ہے جس کا نام نورِ خارجی ہے۔ مثلاً آفتاب۔ یا بجلی وغیرہ۔ نورِ آفتاب نورِ کامل ہے اور باقی یا تو اس سے مستفاد ہیں جسے قائم مقام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ نورِ خارجی نہ ہو۔ پھر بھی مبصرات کا علم نہیں ہو سکتا۔ اندھیری رات میں مبصرات کا علم نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ نورِ داخلی موجود رہتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ معرفت مبصرات دو نوروں پر موقوف ہے۔

## انسان کی رہنمائی کیلئے عقل کے علاوہ نورِ وحی کی ضرورت

عصرِ حاضر الحاد و زندقہ کا دور ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے۔ کہ انسان کی رہنمائی کے لئے صرف عقل ہی کافی ہے۔ دین اور مذہب مولوی کی من گھڑت ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعی غلط ہے۔ کیونکہ جو معاملہ قدرت کا محسوسات و مبصرات کے ساتھ ہے، وہی معاملہ بعینہٖ معنویات کے ساتھ ہے اور جو دستورِ الٰہی مادیات میں چلتا ہے وہی روحانیات میں بھی چل رہا ہے۔ یہاں بھی نورِ وحی کی ضرورت ہے۔ دو نوروں کا ہونا یہاں بھی ضروری ہے۔ ایک داخلی اور دوم خارجی۔ داخلی کا نام نورِ بصیرت ہے اور خارجی کا نام وحی الٰہی ہے۔ جس طرح محسوسات اور مبصرات میں داخلی نور ارضی ہے۔ اور خارجی نور سماوی اور شمسی ہے۔ یہی حال معنویات کا بھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

| | |
|---|---|
| واتّبعوا النّور الّذی انزل معہ الآیۃ۔ | اور تم اس نور کی پیروی کرو جو حضور کے ساتھ نازل کیا گیا۔ |

یہ نور عالمِ بالا سے یہاں آتا ہے۔ اور صرف اس لئے کہ محض عقل کی روشنی انسانی ہدایت کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ خارجی نور یعنی وحی الٰہی سے معلوم کیا جاتا ہے۔ کہ انسانی فلاح و نجات کیلئے کون کون سے اعمال نافع ہیں۔ اور کون کون سے مضر۔ اخلاق و عقائد میں بھی تنہا عقل کافی نہیں جب تک ایمانی نورِ وحی الٰہی کی روشنی نہ ہو جو نبی ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے صاحبِ نور کے لئے سراجاً منیراً[1] کے الفاظ مستعمل کئے گئے ہیں۔ قرآن اور صاحبِ قرآن دونوں

---

[1] روشن چراغ۔

کے لئے نور کا لفظ آیا ہے ۔ اسی طرح قرآن مجید میں افلا تعقلون ۔ افلا تتفکرون ۔ افلا یتدبرون ۔ کے الفاظ سے تفکر، تعقل، تدبر کی دعوت دی جا رہی ہے ۔ اور عقل کے ساتھ نورِ عرفان بھی ضروری سمجھا گیا ۔ دعوتِ تفکر و تعقل اس کی صریح دلیل ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ عقل تنہا فیصلہ کن ہے کہ نہیں ؟ اللہ تعالیٰ نے جتنی قوتیں تخلیق کی ہیں ۔ ہر ایک کے لئے جدا جدا کام ہے ۔ کان سننے کے لئے ہیں ۔ زبان چکھنے کے لئے ۔ ناک سونگھنے کے لیے وغیرہ وغیرہ ۔ تو ظاہر ہے ۔ کہ عقل کا بھی خاص کام اور دائرہ کار ہے ۔ اسی طرح عقل کا فریضہ ادراک معقولات ہے جیسے عقائد اور اخلاق کا خیر و شر معلوم کرنا ۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جو فرائض جس کے ذمہ ہوں وہ اسے تب ادا کر سکے گا کہ صحیح اور تندرست ہو سقیم نہ ہو ۔ ہر کان نہیں سن سکتا نہ ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے ۔ بلکہ وہ کان سن سکتا ہے جو صحیح ہو ۔

## عقلِ سلیم ہی سے شرفِ انسانی وابستہ ہے

عقل درست ہو تو اپنا متعلقہ کام یعنی عرفانِ حقیقت صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے ۔ ورنہ وہ اپنا کام نہیں کر سکے گا ۔ ارشادِ ربانی ہے :

الا من اتی اللہ بقلب سلیم ۔　　　مگر وہ شخص جو اللہ کے پاس صحیح سالم دل لیکر حاضر ہوگا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قلب کی دو قسمیں ہیں ؛ سلیم اور غیر سلیم ۔ اگر عقل سلیم یعنی وحی کی روشنی سے منور ہو ۔ تو ادراکِ حقیقت کر سکے گی ۔ ورنہ نہیں ۔ اب مخالفین دعویٰ کرتے ہیں کہ عقل کافی ہے ۔ لیکن بالفرض والمحال ایسا ہو بھی تو پہلے وہ اپنا عقل سلیم ثابت کریں ۔ ہم تو ان کی عقل کا سقیم ہونا ثابت کر سکتے ہیں[1] کیونکہ ہر دور میں نوے فیصدی عقول سقیم رہی ہیں ۔ اور جسمانی

---

[1] عقل کی بیچارگی کا تو یہ عالم ہے ۔ کہ جن چیزوں کو حواس سے نہ دریافت کیا جا سکے ان کا علم عقل سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا کجا عالم غیب و روحانیت کہ عقل اس کی گتھیاں سلجھا سکے ۔ بہرے کے پاس عقل ہے ۔ مگر کیا اس کی عقل آواز کے آثار چہ معاقد زیر و بم کے متعلق کچھ سوچ سکتی ہے ؟ عقل کا کام دائرۂ حواس میں بھی صرف یہ ہے کہ جو معلومات حواس سے فراہم ہوں عقل ان کی ترتیب و تقسیم کرے ۔ حقیقت وہی ہے جسے شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے واضح کیا کہ " عقل حواس کی تابع ہے ۔ نہ کہ حواس کی حکمران " اس سے معلوم ہوا کہ جو محسوسات نہیں وہ معقولات ہی نہیں ۔ نور نبوت سے عقل کو الگ کر کے اس سے معنویات اور روحانیات کا ادراک کس طرح ممکن ہے ۔ ؟ شیخ ابن عربی کا مشہور قول ہے ۔ فمن طلب اللہ بعقلہ من طریق فکرہ و نظرہ فہو تائہ ۔ خدا کو عقل سے طلب کرنا الا گمراہ و سرا سیمہ ہے ۔ (س)

بیماریوں سے روحانی بیماریاں زیادہ رہی ہیں۔ صحیح چیز ہی اپنا کام صحیح طور پر کر سکتی ہے۔ صحیح جانور وغیرہ کام کر سکتے ہیں۔ بیمار گھوڑا، بیل، اور دیگر حیوانات کام نہیں کر سکتے۔ تو معلوم ہوا کہ اپنے فرائض میں کوتاہی مرض کی بڑی نشانی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ عقل ہی انسان و حیوان میں فرق کرنے والی چیز ہے۔ حیوان عقل نہیں رکھتا۔ انسان عقل رکھتا ہے۔ کھانا، پینا، جماع عقل کا کام نہیں کیونکہ جن حیوانات میں عقل نہیں وہ بھی کھاتے پیتے اور جماع کرتے ہیں۔ عقل سے شرف انسانی وابستہ ہے۔ اور اس کا فرض فکر آخرت ہے۔ ورنہ فکر معاشی تو حیوانات میں بھی ہے۔ ظہیر الدین تاریخ الحکماء میں تمام حکماء کا فیصلہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ عقل کی کارگزاری انجام بینی ہے۔ اور یہ اسی کا خاصہ ہے۔ میری مراد تعبیر اور انجام بینی سے فکر آخرت ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ ہمیشہ مغربیوں کی تردید کرتے ہیں۔ آخر آپ میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ میں نے کہا کہ صرف "زیر" اور "پیش" کی جنگ ہے۔ اسلام آخر بینی ہے۔ اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یورپ آخر بینی ہے۔ اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ مولانا رومیؒ نے کیا خوب فرمایا ؎

ہر کہ آخر بین بود او مومن است
ہر کہ آخر بین بود او احمق است

عقل سلیم کی خاصیت یہ ہے کہ برائی سے روکے۔ عربی زبان میں عقل کیلئے جتنے الفاظ موضوع ہیں وہ تمام روکنے اور بند کرنے کے معنی میں آتے ہیں۔ دیکھئے عقل کی اصل عقال ہے۔ عقال اس کو کہتے ہیں جس سے منزل پر جا کر اونٹ کو باندھ دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ کہیں دور نہ نکل جائے۔ گویا نقصان سے بچاؤ کی رسی ہوئی اس طرح سے حجر بھی اسی معنی میں[1] استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

هل في ذالك قسم لذي حجر الآية — ہے ان چیزوں کی قسم معتبر عقلمندوں کے واسطے

تقاضائے فلسفہ یہ ہے کہ حیوان اپنی چاہ یعنی خواہش پر چلتا ہے۔ اور انسان بھی اپنی خواہش کی عمومی پیروی کرتا ہے۔ مگر عقل کے مطابق تھوڑا رکنا ضرور ہے تو عقل کی صفت رکاوٹ ڈالنا ہے۔ اور غلط کام کی خواہش کو روکنا ہے۔ اب قاعدہ مذکورہ کے مطابق اگر عقل اپنا کام صحیح طور پر انجام نہ دے یعنی رکاوٹ نہ ڈالے تو سقیم ہو گی سلیم نہ ہو گی۔ اب ان دعویداران عقل کو اسی معیار پر پرکھو کہ وہ اسی معیار پر کہاں تک صحیح ہیں۔ جبکہ ان کا دعویٰ ہے۔ کہ تنہا عقل ہی انکی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ یورپین لوگوں کو جس بات کا شوق ہو بلا کسی رکاوٹ کے اور جھجک

---

[1] عربی میں عقل کے لئے حجیٰ اور نہیٰ کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کا لغوی معنی منع کرنا اور روکنا ہی ہے۔ (س)

کے وہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ جب کسی شخص کو زنا کا شوق ہوتا ہے۔ تو اس کے لئے مخصوص پارک اور کلب میں جاتا ہے۔ ننگے مرد و عورتیں مل جاتی ہیں۔ اور غضب تو یہ ہے کہ دن دھاڑے لب سڑک سب کچھ ہوتا ہے۔ مدعیان عقل کا کردار یہ ہے جس پہ انہیں ناز ہے۔ اور کہتے ہیں کہ تنہا عقل ہی رہنمائی کے لئے کافی ہے ——

## ۴ — دلیل غذائی

اس دلیل کا نام دلیل غذائی ہے۔ خلاصہ اس دلیل کا یہ ہے کہ بقاء حیات، نشوونما حیات اور ترقی حیات کے لئے غذا کا ہونا ضروری ہے۔ غذا نہ ہو تو حیات نہیں۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ غذا کی نوعیت باقتضاء مقتضی مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً چوپائے گھاس کھاتے ہیں۔ درندے گوشت کھاتے ہیں، نباتات مٹی اور پانی سے زندہ ہیں۔ سمندر ایک کیڑا ہے جس کی غذا آگ ہے۔ یہاں ناری پودوں کا حال بھی سن لینا چاہئے۔ کمپنی باغ سہارنپور میں چند ایسے درخت تھے جن کے پودے ایک برتن میں لگے ہیں۔ اور برتن ہمیشہ ایک گرم تنور پہ ہی پڑا رہتا ہے۔ آگ کم ہو تو وہ پودہ مرجھانے لگتا ہے۔ یہاں سے عذاب نار کا مسئلہ بھی حل ہوا مقلب امزجہ کو مزاج تبدیل کرنے کی بھی طاقت ہے۔ لہٰذا حیات باقی رہ سکتی ہے —

اب انسان کے اندر دو چیزیں ہیں بدن اور روح۔ ان میں سے روح اشرف ہے۔ اور بدن احسن، پھر بھی انسان بحیثیت مجموعی اشرف المخلوقات ہے۔ انسانیت کے دو شعبے ہیں۔ روح اور جسم، جسم کی نشوونما غذا پر موقوف ہے۔ اگر غذا نہ ملے تو بدن کی بقاء و ترقی بند ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جسم کی غذا کے لئے قدرت نے کیا انتظام کیا ہے۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے۔ کہ عالم علوی و عالم سفلی کی یہ عظیم مشینری جسم انسانی کی فراہمی غذا میں سرتوڑ کوشش کر رہی ہے۔ گندم کا دانہ زمین میں ڈالا جائے تو زمین اپنی قوت صرف کرتی ہے۔ جسے قوت غریزی کہتے ہیں۔ اس طرح اگر تازہ ہوا یا پانی نہ ملے تو پودا مرجھا جائے۔ زمین کی حرارت غریزی آگ کی گرمی کی قائم مقام ہے۔ اگر یہ شامل نہ ہو تو نشوونما نہیں ہو سکتی۔ غور کیجئے کیا عجیب انتظام ہے۔ قاعدہ ہے کہ بھاری چیز ہمیشہ نیچے کی طرف جاتی ہے۔ لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔ نہ تو یونانیوں کی مرکز ثقل کام کرتی ہے۔ نہ جدید سائنس کی کشش ارضی، حرارت غریزی جو آگ کے قائم مقام ہے۔ اور لطیف ہوتی ہے۔ وہ اسے اوپر لے جاتی ہے۔ اور یہ مزید

تعجب کی بات ہے۔ کہ جڑیں نیچے کو جاتی ہیں۔ اور شاخیں اوپر کو۔ پھر اگر لیل و نہار کی تفاوت نہ ہو تو فصل پک نہیں سکتی۔ جدید فلسفہ کی روشنی میں ستاروں کی کشش بھی نشو و نما میں ممد ہے۔ علماء نباتات کا تجربہ ہے۔ کہ مساوی دن رات میں نباتات کی نشو و نمارات میں بہ نسبت دن کے زیادہ ہے۔ اس طرح اگر سورج نہ ہو تو میوہ پک نہیں سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ پورا عالم انسانی غذا کے لئے کام کر رہا ہے ـــــ

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ کہ ہر نبات پر ایک ملک مقرر ہے جو اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اور انسانی پیدائش کے سلسلہ میں چار سو فرشتے مقرر ہیں۔ کیا یہ تمام کام بقول احمقین یورپ کے بے شعور اور غیر ذی عقل مادہ کا ہے۔ حاشا و کلا نہیں بلکہ یہ سب ایک مختار کل حکیم کی حکمت ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ آفتاب و ماہتاب، سیارہ اور زمین و ہوا وغیرہ تمام اشیاء غذاء انسانی کی تکمیل میں کوشاں ہیں۔ اور انسان اس بارہ میں پوری کائنات کا محتاج ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی سمجھ لیجئے کہ خداوند کریم نے الوہیت مسیح کو رد کیا ہے۔ تو دلیل دی ہے کہ کانا یاکلان الطعام۔ (حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے)

## حکمتِ خداوندی کا لازمی نتیجہ روحانی غذا کا انتظام ہے

اب غور کیجئے کہ وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ وہ فراہمیٔ غذا میں کائنات کے ذرہ ذرہ کے محتاج ہوں۔ اور عالم علوی و سفلی کی پوری طاقت انسان کی غذا کی فراہمی میں معاون ہو۔ محتاج بہر حال محتاج ہی ہے۔ اور خدا محتاج نہیں ہو سکتا۔ تو اگر غذائے جسمانی کا انتظام اس حیثیت سے ہو کہ اوپر سے نیچے تک پوری مشینری متحرک ہو لیکن غذائے روحانی کا انتظام نہ ہو تو حکمتِ خداوندی کے منافی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے۔ کہ صدر مملکت کے خادم کے لئے تو انتظامات کئے جائیں اور خود صدر کو کس میرسی میں چھوڑ دیا جائے اور اس کی کوئی فکر نہ کی جائے کیا یہ حماقت نہیں ہوگی۔ اور کیا خداوند تعالیٰ کی دانائی پر قدح واقع نہ ہوگی ـــــ تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً

اب جب روح کے لئے غذا کی ضرورت ثابت ہوئی تو اسکی غذا بھی خود اس کی طرح لطیف ہونی چاہئے جیسا کہ جسم کثیف ہے۔ تو اس کی غذا بھی کثیف ہے۔ نیز جسم زمینی ہے تو اس کی غذا بھی زمینی اور روح آسمانی ہے تو اسکی غذا بھی آسمانی ہونی چاہئے۔

ملک الملک کا ارشاد ہے: قل الروح من امر ربی۔ (کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے)

تو غذائے روح بھی آسمانی ہے۔ روح کی غذا پر اسکی حیات موقوف ہے۔ تو ضروری ہوا کہ اسکی حیات کی خاطر عالم بالا سے کوئی چیز نازل ہو۔ وہ چیز آخر کونسی ہو سکتی ہے۔ جس سے روح کی نشو و نما اور بقاء ہو۔۔۔۔۔

## وحی اور یادِ الٰہی سے قلب و روح کی بقا ہے

ظاہر ہے کہ وہ چیز وحی الٰہی کے بغیر دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔۔

ارشادِ ربانی ہے:

یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ والرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔

اس آیت میں حیات سے حیات جسمانی مراد نہیں بلکہ حیاتِ روحانی مراد ہے۔ کیونکہ اللہ اور رسول کی دعوت کھانے پینے کی طرف ہو ہی نہیں سکتی وہ بہر حال دعوت الی الکتاب والسنت ہے۔ اور یہ دعوت وہ دعوت ہے جو جان بخشی اور حیات آفرینی کا سبب ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

مثل القلب الذی یذکر والذی لایذکر کمثل الحی والمیت۔

ذاکر اور غافل قلب کی مثال زندہ اور مردہ کی مانند ہے۔

تو معلوم ہوا۔ کہ وہ قلب و روح جسکی غذا یادِ الٰہی ہو زندہ ہے۔ اور جسکی غذا یہ نہ ہو تو وہ مردہ ہے۔ اور خلاصۂ اسلام ہے یادِ الٰہی، یادِ الٰہی تمام دین کا عطر اور نچوڑ ہے۔ اس لئے تو ارشاد فرمایا گیا:

والقرآن ذی الذکر۔

قسم ہے اس قرآن کی جو ذکر سے لبریز ہے۔

اور اسی طرح صلوٰۃ کے بارہ میں کہا گیا:

ولذکر اللہ اکبر۔

اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی۔

تو گویا یادِ الٰہی ثمرۂ قرآن ہے۔ اس لئے میں کہا کرتا ہوں۔ کہ یادِ الٰہی اور قلب کی نشو و نما کی خاطر کسی نہ کسی سلسلۂ طریقت سے وابستگی ضروری ہے۔ ذاکر علم حضوری رکھتا ہے۔ اس لئے علماء کو چاہئے کہ کسی نہ کسی سلسلہ سے اپنے آپ کو وابستہ کر دیں۔ اس طرح قلب جو پہلے مردہ ہوتا ہے۔ انوارِ الٰہی سے اسکی کیفیت بدل جاتی ہے۔ اور روح کو ترقی نصیب ہوتی

ہے۔ ذالک لمن کان لہٗ قلبٌ سلیم۔

اس روحانی ترقی کا مکمل مشاہدہ صحابہؓ کے احوال میں کریں۔ صحابہؓ کرام کو جنگ کے ہر میدان میں فتح ہوئی باوجودیکہ دشمن کی تعداد زیادہ تھی اسکے پاس کمالاتِ جنگ اور سامان کی فراوانی اور صحابہؓ کے پاس نہ سامانِ جنگ اور نہ تعداد کی برابری اور کثرت، قیصر سے مقابلہ ہو تو بھی فتح نصیب ہوتی ہے۔ کسریٰ کی عظیم طاقت بھی انہی صحابہؓ نے ختم کردی۔ بدر میں جو اسلام کی پہلی جنگ ہے۔ ۳۱۳ افراد نے ایک ہزار افراد کو شکست دیدی۔ ۴۰ کروڑ افراد کے ملک ہندوستان میں محمد بن قاسمؒ صرف ۶ ہزار کی فوج سے آیا اور داہر کو شکست دے کر ملتان تک فتح کر ڈالا، مقابلہ کوئی نہ کر سکا۔ وجہ صرف روحانی ترقی تھی جس پہ فتح و شکست کا دارو مدار ہے نہ کہ ظاہری ساز و سامان پہ۔ ان کی روحانی طاقت ترقی یافتہ تھی تو دشمن کاغذ کی سپاہی نظر آتے تھے۔ —— (باقی آئندہ)

---

بقیہ صفحہ ۵

پہلے ہمیں پاکستان کی حیرت انگیز فتحیابی پہ مبارکباد پیش کرتا ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہندوستان اپنے ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ دنیا کے سامنے جو اپنی شکستوں پہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا رہا ہے، وہ اس میں ذرا برابر بھی کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔

جامعہ کے حالات بدستور ہیں۔ گذشتہ سال جو طالب علم جامعہ سے فراغت حاصل کر چکے ہیں، ان میں سے بیشتر کو افریقہ اور بعض دوسرے ممالک میں دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجا گیا ہے۔ یہ طالب علم وہاں مستقل طور پہ کام کریں گے۔ اور سعودی حکومت ان کو تنخواہیں دے گی۔ ویسے جامعہ کے چند اساتذہ پہ مشتمل ایک وفد بھی چند ماہ کے لئے افریقہ کے بعض ممالک کے دورہ پہ گیا ہوا ہے۔ یہ اساتذہ عنقریب واپس پہنچنے والے ہیں۔——

حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مدظلہٗ اور دوسرے اصحاب کے لئے آپ نے "الحق" کے جو پرچے دئے تھے وہ میں نے پہنچا دئے ہیں۔ مولانا نے خوشی کا اظہار اور دعائیں فرمائیں آپ سب حضرات کی خیریت کے بارے میں دریافت فرمایا، میں نے آپ حضرات کا سلام پیش کیا، انہوں نے بھی جواباً سلام لکھنے کے لئے فرمایا۔——

حضرت مولانا بدر عالم صاحب مدظلہٗ آج کل بہت زیادہ علیل ہیں۔ بہت صدمہ ہوا۔ بات کرنے کی طاقت بھی اب ان میں باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ انکو شفاء عاجلہ اور عمر دراز عطا فرمائے۔ آمین

---